# جشن میلاد النبی ﷺ اور شعائر اسلام (تاریخی تناظر میں)

ہمارے عقیدے، باطنی اِرتقاء اور رُوحانی زندگی کا اِنحصار ''ذِکر'' یعنی یاد کرنے، یاد رکھنے اور یاد منانے پر ہے۔ ہمارے روز مرہ معاملات، سر گرمیاں، حرکات و سکنات، گفتگو، سمجھ بوجھ، پڑھنا لکھنا، میل ملاقات، الغرض جملہ اُمورِ زندگی اُس علم پر منحصر ہوتے ہیں جو ہم حاصل کرتے ہیں اور اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اِس طرح پوری زندگی لمحہ بہ لمحہ ہماری یاد میں محفوظ ہوتی ہے۔ یہی یاد ہمیں زندگی گزارنے کے طریقے، سلیقے اور ہنر سکھاتی ہے۔ سب نئے پرانے رشتے اسی یاد سے زندہ رہتے ہیں۔ اسی کی بنیاد پر ہماری عادات و خصائل متشکل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر ہمیں کسی زبان یا بات چیت کی سمجھ آسکتی ہے نہ ہم دوستوں یا دشمنوں کی پہچان رکھ سکتے ہیں۔ ''یاد'' کے بغیر گویا پوری زندگی دیوانگی ہے، ہوش و خرد کا وجود محض اسی یاد کے سہارے قائم ہے۔

## قرآن حکیم کے نظامِ ہدایت میں ''یاد'' منانے کی اَہمیت

قرآن حکیم نے انسان کو جو نظامِ ہدایت عطا کیا ہے اُس کے قیام و استحکام کی بنیاد بھی اسی یاد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ وہ انسان جو اللہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتا ہے وہ ہدایتِ الٰہی کے ماضی اور مستقبل پر بھی ایمان لاتا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ○

”اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیںo“

البقرة، 2 : 4

یہاں ”آپ سے پہلے نازل کی گئی“ کتابوں پر ایمان ”یاد“ کی بنیاد پر ایمان کا جزو لاینفک بن گیا ہے جب کہ مومن کا باقی زندگی میں اُسی ہدایت کو ”یاد رکھتے ہوئے“ اور ہر قدم اس کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے گزارنا تکمیلِ ایمان کے لیے لازم ہے۔

اِنسان اِنتخابِ عمل کے دوراہے پر کھڑا ہے، جب وہ کسی عمل کا اِرادہ کرتا ہے تو جو کچھ اسے یاد ہوگا اسی کے مطابق اس سے عمل سرزد ہوگا۔ یہاں ایک لطیف نکتہ یہ بھی سمجھنے والا ہے کہ دل کی کیفیات یا قلبی اَعمال جنہیں ہم محبت، خشیت، عجز و نیاز اور تسلیم و رضا کے الفاظ استعمال کرکے ان کا تصور قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ”یاد“ یا ”یادوں“ سے منسلک ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ جذبات ہیں مگر خیالات کے تحرک کے بغیر وجود میں نہیں آتے۔ اس کے لیے اللہ رب العزت نے انسان کو یاد کی نعمت عطا کر رکھی ہے۔ جب کفار و مشرکین کو دعوتِ ایمان دی جاتی تو ہمیشہ جواب میں یہی کہتے کہ ہم اُس مسلک پر چلنا چاہتے ہیں جو ہمارے آباء و اَجداد اور اَسلاف سے نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے۔ یعنی وہ ماضی کی ”یاد“ سے اِنقطاع پر تیار نہ ہوتے تھے۔ اس پر انہیں یاد دلایا جاتا کہ تمہارے باپ دادا کا راستہ منزل تک نہیں جاتا، وہ بھی غلط راستے پر چل رہے تھے اور وہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے۔ ان کے پاس بھی پیغامِ ہدایت آیا لیکن انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور برباد ہوگئے۔ قرآن حکیم میں ہے :

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ○

”پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت کے باعث نجات بخشی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے○“

الأعراف، 7 : 72

یہاں کفار و مشرکین کو ”یاد دلایا“ جا رہا ہے کہ تمہارے اَسلاف نے غلط راستہ اختیار کیا اور برباد ہوگئے۔ لہٰذا وہ راستہ اپناؤ جس کی طرف تمہارے اسلاف کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ مسلمانوں پر بھی لازم قرار دیا گیا کہ سابقہ انبیاء و رسل جو پیغامِ الٰہی لے کر تشریف لائے وہ یہی پیغام ہے جو قرآن میں ہے۔ لہٰذا پہلی کتابوں پر ایمان لانا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن حکیم پر ایمان لانا ضروری ہے۔

## ملتِ اِبراہیمی

”سابقہ انبیاء کرام کی یاد منانا“ اور ان کی نبوت و رسالت کا اِقرار کرنا بھی ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ چنانچہ اسلام کو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ”ملتِ ابراہیمی“ کہا گیا ہے:

1. وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلاَّ مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ○

’’اور کون ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے رُو گرداں ہو سوائے اُس کے جس نے خود کو مبتلائے حماقت کر رکھا ہو، اور بیشک ہم نے انہیں ضرور دنیا میں (بھی) منتخب فرما لیا تھا، اور یقیناً وہ آخرت میں (بھی) بلند رتبہ مقرّبین میں ہوں گےo‘‘

البقرۃ، 2 : 130

2. وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

’’اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرما دیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو (اس) ابراہیم (علیہ السلام) کا دین اختیار کیے ہوئے ہیں جو ہر باطل سے جدا صرف اللہ کی طرف متوجہ تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھےo‘‘

البقرۃ، 2 : 135

3. قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

’’فرما دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، سو تم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہو گئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھےo‘‘

آل عمران، 3 : 95

4. وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا O

’’اور دینی اعتبار سے اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنا رُوئے نیاز اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ صاحبِ احسان بھی ہوا، اور وہ دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرتا رہا جو (اللہ کے لیے) یک سُو (اور) راست رَو تھے، اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا

مخلص دوست بنا لیا تھا (سو وہ شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے اللہ کا دوست ہو گیا)o‘‘

النساء، 4 : 125

5. قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

’’فرما دیجئے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت فرما دی ہے، (یہ) مضبوط دین (کی راہ ہے اور یہی) اللہ کی طرف یکسُو اور ہر باطل سے جدا ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھےo‘‘

الانعام، 6 : 161

6. ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

’’پھر (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھےo‘‘

النحل، 16 : 123

7. وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُO

’’اور اللہ (کی محبت و طاعت اور اس کے دین کی اشاعت و اقامت) میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں منتخب فرما لیا ہے اور اس نے تم پر دین میں

کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (یہی) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین ہے۔ اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ رسولِ (آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوع انسان پر گواہ ہو جاؤ، پس (اس مرتبہ پر فائز رہنے کے لیے) تم نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا مددگار (وکارساز) ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز (ہے) اور کتنا اچھا مددگار ہےo"

الحج، 22 : 78

ان جملہ آیات میں ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں دو قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر فرمانے سے پہلے اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

**وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآئِـي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ.**

"اور میں نے تو اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کے دین کی پیروی کر رکھی ہے۔"

یوسف، 12 : 38

اِن آیات میں سابقہ اَنبیاء کی یاد کو دین کی بنیاد بنایا جا رہا ہے، یعنی اَنبیائے سابقہ اور ان کی اُمتوں کے حالات کو یاد رکھتے ہوئے اَنبیاء کی سنت کی پیروی کرنا بھی سنتِ انبیاء ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے :

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ.

''(اے حبیب !) بے شک ہم نے آپ کی طرف (اُسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف اور ان کے بعد (دوسرے) پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔''

النساء، 4 : 163

سابقہ اُمتوں اور حضور ختمی مرتبت سے پہلے تشریف لانے والے انبیاء کرام کے احوال اور دین ابراہیم کے حوالے سے حاصل ہونے والا علم اہلِ ایمان کے قلوب و اَذہان میں یاد کی صورت میں منور ہو کر قدم قدم پر ہمارے لیے ہدایت کی روشنی مہیا کرتا ہے۔

یاد کا مضمون انتہائی وسیع ہے اور اس کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ انسانی زندگی کی اس بنیادی خوبی کو موثر طریقے سے استعمال میں لانے کے لیے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس مضمون کا ذکر آیا ہے۔ یہاں موضوع سے متعلقہ نکات ذہن نشین کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم ''یاد'' کے لیے قرآن حکیم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ اس حوالہ سے ''ذکر'' کا لفظ قرآن حکیم میں کم و بیش 267 مرتبہ اِستعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے: یاد کر لینا، یاد دلانا، محفوظ کر لینا۔ عبرت اور نصیحت کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ قرآن مجید کو بھی ''ذکر'' کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں بعض مقامات پر ذکر کے مقابلے میں ''نسیان'' کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے: بھول جانا، بھلا دینا، یا غیر اہم سمجھ کر ترک کر دینا، چھوڑ دینا۔

1. فراہیدی، کتاب العین، 7 : 304، 305
2. ابن منظور، لسان العرب، 15 : 322، 323
3. فیروزآبادی، القاموس المحیط، 4 : 398

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے جو تعلیم نازل فرمائی وہ اصولی طور پر اول تا آخر ایک ہی تھی، لیکن انسانی تحریف و تبدل کی وجہ سے وہ اپنی اصل شکل میں نہ رہی۔ قرآن اس فراموش کردہ تعلیمِ ربانی کی یاد دہانی کراتا ہے تاکہ انسان کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو جائے۔ قرآن مجید کے اندر جو احکامات بیان ہوئے ہیں انہیں بھی وہ مختلف پہلوؤں سے سامنے لا کر ایک مقام کی دوسرے مقام پر یاد دہانی کراتا ہے۔ اس طرح بار بار یاد دہانی سے انسان کے دل میں ان قوانین کی اہمیت اور عظمت کا احساس پیدا کرتا ہے تاکہ انسان ان کی پابندی کی طرف توجہ دے۔

اب ہم اگلے صفحات میں اِس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہماری عبادات کس طرح اَنبیاء علیہم السلام کی یادوں سے منسلک اور وابستہ ہیں اور کیسے کیفیاتِ مسرت و غم انبیاء کرام کی حیاتِ مقدسہ سے ہمارے لیے نورِ عجز و خشیت اور محبت و تعظیم کشید کرتی ہیں۔

# فصل اَوّل

## نمازِ پنجگانہ اَنبیاء علیہم السلام کی یادگار ہے

جمہور اہلِ اِسلام بارہ ربیع الاول کا دن ''جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے طور پر مناتے ہیں اور اپنے آقا و مولا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی والہانہ

عقیدت و محبت کا اظہار اپنے اپنے انداز میں کرتے ہیں۔ کسی واقعہ کی یاد منانا شعائر اسلام سے ثابت شدہ اَمر ہے۔ دین کی بنیاد اور ستون قرار دی جانے والی پانچ نمازیں۔ جنہیں اِسلام اور کفر کے مابین اِمتیاز کا درجہ حاصل ہے اور جو تمام مسلمانوں پر فرض کی گئی ہیں۔ دراَصل اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اَنبیاء کے اُن سجدہ ہائے شکر کی یاد منانے سے عبارت ہیں جو انہوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مختلف مواقع پر بہ صورتِ نوافل ادا کیے۔ اپنے محبوب بندوں کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اس نے یہ نوافل اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بطور فرض نماز عطا کر دیئے۔

امام طحاوی (229. 321ھ) پانچ فرض نمازوں کی نسبت امام محمد بن عائشہ کا قول نقل کرتے ہوئے شرح معانی الآثار میں درج ذیل تفصیل بیان کرتے ہیں:

### 1۔ نمازِ فجر سیدنا آدم علیہ السلام کی یادگار ہے

**إن آدم علیہ السلام لما تیب علیہ عند الفجر، صلی رکعتین، فصارت الصبح.**

''جب صبح کے وقت ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے (شکرانے کے طور پر) دو رکعت نماز پڑھی، پس وہ نمازِ فجر ہو گئی۔''

### 2۔ نمازِ ظہر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے

**وفدی إسحاق عند الظھر فصلی إبراھیم علیہ السلام إربعا، فصارت الظھر.**

”ظہر کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب حضرت اسحٰق علیہ السلام سے نوازا گیا تو آپ نے (شکرانے کے طور پر) چار رکعات ادا کیں، پس وہ نمازِ ظہر ہو گئی۔“

## 3۔ نمازِ عصر سیدنا عُزیر علیہ السلام کی یادگار ہے

**وبُعِثَ عزیر، فقیل لہ: کم لبثت؟ فقال: یوما او بعض یوم. فصلی اربع رکعات، فصارت العصر.**

”جب حضرت عزیر علیہ السلام کو (سو سال بعد) اٹھایا گیا تو ان سے پوچھا گیا: آپ اس حالت میں کتنا عرصہ رہے؟ تو انہوں نے کہا: ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ۔ پس انہوں نے چار رکعات ادا کیں تو وہ نماز عصر ہو گئی۔“

## 4۔ نمازِ مغرب سیدنا داؤد علیہ السلام کی یادگار ہے

**وقد قیل: غُفِر لعزیر علیہ السلام وغُفِر لداود علیہ السلام عند المغرب، فقام فصلی اربع رکعات فجھد فجلس فی الثالثۃ، فصارت المغرب ثلاثا.**

”اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عزیر اور داؤد علیہما السلام کی مغرب کے وقت مغفرت ہوئی تو انہوں نے (شکرانے کے طور پر) چار رکعات نماز شروع کی (مگر نقاہت و کمزوری کے باعث) تھک کر تیسری رکعت میں بیٹھ گئے۔ (اس طرح تین رکعات ادا کیں، چوتھی رکعت مکمل نہ ہو سکی۔) پس وہ نمازِ مغرب ہو گئی۔“

## 5۔ نمازِ عشاء تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار ہے

**واوّل من صلی العشاء الآخرۃ، نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.**

’’اور جس ہستی نے سب سے پہلے آخری نماز (یعنی نمازِ عشاء) ادا کی وہ ہمارے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔‘‘

طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الوسطی اِی الصلوات، 1 : 226، رقم : 1014

الغرض یہ پنجگانہ نمازیں ان جلیل القدر پیغمبروں کی عبادت کی یاد دلاتی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم اور فضل و احسان فرمایا اور انہوں نے اظہارِ تشکر کے طور پر دوگانہ اور چہارگانہ نوافل ادا کیے جو اللہ رب العزت نے امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پانچ فرض نمازوں کی صورت میں ان کی یادگار بنا دیئے۔ اس طرح دن بھر کی ان تمام نمازوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے انبیاء کرام کی یاد کا تسلسل بنا دیا۔

علامہ ابن عابدین شامی (1244۔1306ھ) اپنے فتاویٰ

’’رد المحتار علی در المختار علی تنویر الابصار‘‘ میں پانچ فرض نمازوں کی نسبت فرماتے ہیں :

**قیل : الصبح صلاۃ آدم، والظھر لداود، والعصر لسلیمان، والمغرب لیعقوب، والعشاء لیونس علیھم السلام، وجمعت فی ھذہ الأمۃ.**

”کہا گیا ہے کہ نمازِ فجر حضرت آدم، ظہر حضرت داؤد، عصر حضرت سلیمان، مغرب حضرت یعقوب، اور عشاء حضرت یونس علیہم السلام کے لیے تھیں جنہیں اِس اُمت میں جمع کر دیا گیا ہے۔“

ابن عابدین، ردالمحتار علی درالمختار علی تنویر الأبصار، 1 : 351

وہ لمحے جو انبیاء کرام نے اللہ کی بارگاہ میں شکر، عجز اور خشوع و خضوع میں گزارے اللہ نے انہیں اَمر کر دیا۔ اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو اپنے قرب کا راستہ دکھا دیا اور محبت و اطاعت کی نورانی کیفیات کی رحمت بے پایاں عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کے وہ سجدے جو مقبول ہوئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے اُمت مسلمہ کو مل گئے جو تاابد اُن کی یاد مناتی رہے گی۔ یاد کی اَہمیت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اَرکانِ اِسلام میں سے اہم ترین رُکن صلوٰۃ کی عملی صورت میں جو پانچ نمازیں مقرر ہوئیں وہ ساری کی ساری کسی نہ کسی نبی کی یاد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہ ایزدی سے منسوب کسی عمل یا واقعہ کی یاد منانا اسلام میں نہ صرف جائز ہے بلکہ دینِ اِسلام کی بنیادی فکر و فلسفہ کا تقاضہ ہے۔ جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی خیر الوریٰ، حبیبِ کبریاء، تاجدارِ اَنبیاء حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعاتِ ولادت کی یاد منائی جاتی ہے جو سراسر جائز اور منشاء خداوندی کے عین مطابق ہے۔

## فصل دُوُم

## جملہ مناسکِ حج اَنبیاء علیہم السلام کی یادگار ہیں

حج کو شہادت اور نماز کے بعد تیسرے رُکنِ اِسلام کا درجہ حاصل ہے۔ فریضۂ حج کی بنیاد اور تمام مناسکِ حج در حقیقت حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کی زندگی کے عظیم واقعات سے عبارت ہیں۔ انہوں نے صبر واستقامت، اطاعت اور قربانی کے جو نقوش چھوڑے رب کریم نے ان کی یاد منانے کو اُمتِ مسلمہ کے لیے فرض عبادت قرار دے دیا۔ دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہر سال مکہ مکرمہ جا کر ان کی یاد مناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس فریضہ سے سرخرو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں نے جو لمحات اپنے معبودِ حقیقی کی محبت واطاعت اور سوزِ عشق میں گزارے اللہ نے انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔ وہ قدم جو اس کی یاد میں اٹھے، دوڑے اور تڑپے، اللہ نے انہیں اپنی نشانیاں قرار دے دیا۔

اللہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی آنکھیں برسات کا منظر پیش کرنے لگتی ہیں، آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور جذبۂ عشق و مستی کی تسکین کا سامان ہونے لگتا ہے۔ خانۂ خدا میں قدم رکھتے ہی بندگانِ خدا کعبۃ اللہ کا طواف شروع کر دیتے ہیں اور حجرِ اَسود کی طرف دیوانہ وار لپکتے ہیں اور دھکم پیل کے باوجود بڑی محنت و جاں فشانی سے اس کے قریب پہنچتے اور اسے بوسہ دیتے ہیں اور پھر صفا و مروہ کی سعی کرتے ہیں۔ نویں ذی الحج آتی ہے تو ہر حاجی بے اختیار میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرتا ہے۔ مزدلفہ میں مغرب کے وقت وہ نماز نہیں پڑھتا

بلکہ اسے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے پھر منٰی پہنچ کر رمی کرتا ہے اور قربانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

ان تمام اُمور کی کوئی عقلی توجیہ ممکن نہیں۔ سارے معاملات عشق و جنوں کے آئینہ دار ہیں۔ عقل سے لاکھ پوچھا جائے کہ ان سب معمولات کی حقیقت کیا ہے مگر اسے کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ جب یہی سوال عشق سے پوچھا جاتا ہے تو جواب آتا ہے کہ حج کے ہر عمل کے پیچھے محبت و وار فتگی کی کوئی نہ کوئی ادا چھپی ہوئی ہے۔ اپنے محبوب بندوں کی اداؤں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اتنا پسند فرمایا کہ انہیں قیامت تک فرض عبادت کا درجہ دے دیا۔ باری تعالیٰ کو ان کی نسبتیں اتنی عزیز ہیں کہ انہی کے رنگ ڈھنگ اور انداز و اطوار کو اپنا لینا عین عبادت قرار پایا۔ حج انہی افعال و اعمال کے دہرائے جانے سے عبارت ہے جن سے اللہ کے مقبول بندوں کی کوئی نہ کوئی یاد وابستہ ہے۔

حج اُن فرض عبادات میں سے ہے جس کے جملہ مناسک دراصل رب کریم کے برگزیدہ انبیاء کی محبوب عبادات، اداؤں اور معمولات کی یاد منانے پر مشتمل ہیں۔ اس فصل کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ مناسکِ حج سراسر یاد منانا ہے۔ اللہ کے ایک محبوب بندے نے کوئی عمل کیا اور ایسی کیفیت میں ڈوب کر کیا کہ اللہ رب العزت نے اس کی توقیر کرتے ہوئے اپنے سب سے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے اسے فرض عبادت کا درجہ دے دیا۔ ان افعال کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے منسوب ہیں، مناسک حج کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کا بجا

لانا ہم پر لازم ہے۔ 8 ذی الحج سے 13 ذی الحجہ تک ادا کیے جانے والے ان مناسک کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے :

## 1۔ اِحرام انبیاء کرام علیہم السّلام کے لباسِ حج کی یادگار ہے

مناسک و آدابِ حج و عمرہ کی ادائیگی کے حوالے سے ایک قابل ذکر عمل احرام باندھنا ہے جو تمام طواف کرنے والوں کے لیے لازم ہے۔ دو چادروں پر مشتمل یہ وہی لباس ہے جسے دورانِ حج انبیاء کرام علیہم السلام زیب تن فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند آیا، اور حجاج کے لیے لازم قرار پایا کہ وہ اپنے علاقائی رواج کے مطابق سلا ہوا لباس اتار پھینکیں اور فقط دو چادریں اوڑھ لیں۔ ان میں سے ایک چادر بطور تہبند استعمال کی جاتی ہے جب کہ دوسری سے جسم ڈھانپا جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف کونوں سے آئے ہوئے عازمینِ حج احرام کی چادروں سے جسم ڈھانپ کر سنتِ انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ لباس ستر (70) انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ میں زیب تن کیا، اس کی تصریح درج ذیل روایات سے ہوتی ہے :

1۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

**لقد مرّ بالصخرة من الروحاء سبعون نبياً، منهم موسى نبي الله، حفاة، عليهم العباء، يؤمون بيت الله العتيق.**

”اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت 70 انبیاء (مکہ اور مدینہ کے درمیان) روحاء کی پتھریلی جگہ سے ننگے پاؤں گزرے ہیں، وہ ایک چادر زیب تن کیے ہوئے بیت اللہ جا رہے تھے۔“

1. اِبو یعلی، المسند، 13 : 201، 255، رقم : 7231، 7271

2۔ ابو یعلٰی نے ”المسند (7 : 262، رقم : 4275)“ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی روایت نقل کی ہے۔

3. دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، 3 : 433، رقم : 5328

4. اِبو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، 1 : 260

5۔ منذری نے ”الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف (2 : 118، رقم : 1739)“ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند پر کوئی اِعتراض نہیں۔

6. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 61 : 166

7. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3 : 220

2۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اِحرام بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**كَأنّي أنظرإلى موسى بن عمران في هذا الوادي محرما بين قطوانيتين.**

”میں نے اس وادی میں موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دو قطوانی (کوفہ کے علاقہ قطوان سے منسوب سفید) چادروں پر مشتمل اِحرام پہنے دیکھا ہے۔“

1. اِبو یعلی، المسند، 9 : 27، رقم: 5093
2. طبرانی، المعجم الکبیر، 10 : 142، رقم: 10255
3. طبرانی، المعجم الأوسط، 6 : 308، رقم: 6487
4. اِبو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، 4 : 189

5۔ منذری نے ’’الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف (2 : 118، رقم: 1740)‘‘ میں کہا ہے کہ اِسے ابو یعلٰی اور طبرانی نے حسن اِسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔
6۔ ہیثمی نے ’’مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (3 : 221)‘‘ میں کہا ہے کہ یہ روایت ابو یعلٰی اور طبرانی نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

3۔ تاریخِ مکہ پر لکھی جانے والی پہلی کتاب کے مصنف اِمام اَزرقی (م 223ھ) اپنی کتاب ’’اخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار‘‘ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کے اسی لباسِ حج کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

**لقد سلک فجّ الروحاء سبعون نبیاً حجاجاً، علیہم لباس الصوف.**

’’روحا کے راستے سے ستر (70) انبیاء کرام حج کرنے کی غرض سے گزرے ہیں جنہوں نے اُون کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔‘‘

اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 71، 72

4۔ حج کے موقع پر انبیاء کرام کے چادریں اوڑھنے کے اس طریقہ کو حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھم کے ہونہار شاگرد مجاہد بن جبیر مکی نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

**حج موسی النبی علیہ السلام علی جمل إحمر، فمرّ بالروحاء، علیہ عباء تان قطوانیتان، متزر باحداھما مرتدی بالاخری، فطاف بالبیت.**

’’اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کے اِرادہ سے سرخ اونٹ پر روانہ ہوئے، وہ روحاء کے مقام سے گزرے۔ ان کے اوپر دو قطوانی (سفید) چادریں تھیں جن میں سے ایک انہوں نے تہبند کے طور پر باندھی ہوئی تھی اور دوسری جسم پر اوڑھ رکھی تھی۔ پس انہوں نے (اسی حالت میں) بیت اللہ کا طواف کیا۔‘‘

اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 67

5۔ ایک روایت میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کا لباس بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سفرِ حج کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِستفسار فرمایا : ابو بکر! یہ کون سی وادی ہے؟ انہوں نے عرض کیا : وادئ عسفان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

**لقد مر بہ ہود و صالح علی بَکَراتٍ حُمرٍ خُطُمُھا اللِّیفُ، اُزُرُہم العباء، وارِدِیَتُہم النِّمارُ، یُلَبُّون یَحُجُّون البیتَ العتیقَ.**

’’یہاں سے ہود اور صالح (علیہما السلام) جوان سرخ اونٹنیوں پر گزرے ہیں جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔ انہوں نے تہبند سے ستر ڈھانپے ہوئے تھے اور سفید و سیاہ دھاری دار چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تلبیہ کہتے ہوئے بیت اللہ کا حج کرنے جا رہے تھے۔‘‘

1. اِحمد بن حنبل، المسند، 1 : 232

2۔ بیہقی کی ’’شعب الایمان (3 : 440، رقم : 4003)‘‘ میں بیان کردہ روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔

3. منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، 2 : 117، رقم : 1737

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سادہ چادریں اوڑھے حج ادا کرتے۔ وہ حج کی ادائیگی میں فقط رضائے الٰہی پیشِ نظر رکھتے۔ ان کا لباسِ حج دو چادروں پر مشتمل ہوتا : ایک بطور تہبند باندھ لیتے اور دوسری جسم پر اوڑھ لیتے۔

اَنبیاء کرام علیہم السلام کا یہ لباس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا پسند آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لباس کو قیامت تک آنے والے حاجیوں کے لیے لازم قرار دے دیا۔ عام زندگی کے لباس میں باقی جتنے مشمولات اور لوازمات ہوتے ہیں ان سب کو حج کے دوران پہننے سے منع فرما دیا۔ عام حالات میں ننگے سر عبادت کرنا معیوب اور خلافِ سنت

تصور کیا جاتا ہے مگر دورانِ حج و عمرہ بیت اللہ میں ایسا نہیں۔ حالتِ اِحرام میں بیت اللہ میں سب ننگے سر حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں سر کا ننگا ہونا اَنبیاء کرام کے لباسِ حج و عمرہ کی نسبت کے سبب عجز و خاک ساری اور فروتنی کی علامت بن گیا ہے اور اللہ رب العزت کے نزدیک غایت درجہ پسندیدہ ہے۔

یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت اور تعلق ہی کی وجہ ہی ہے کہ اِحرام متعین ہونے کے ساتھ حج کے دوران حاجیوں کو ناخن تراشنے، بال کٹوانے اور مونچھیں کٹوانے جیسے اعمال سے بھی روک دیا گیا (1) تاکہ ظاہری طور پر بھی ہر لحاظ سے حجاج کرام انبیاء علیہم السلام کی پیروی کریں۔

کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، 2 : 198

## 2۔ تلبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور اس کے جواب کی یاد منانا ہے

حج یا عمرہ کرنے والا جب احرام باندھتا ہے تو نہایت خشوع و خضوع کے عالم میں اس کے ہونٹوں پر یہ الفاظ مچلنے لگتے ہیں :

**لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ.**

’’میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک تمام تعریفیں، نعمتیں اور ملک تیرے لیے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب التلبیۃ، 2 : 561، رقم: 1474
2. بخاری، الصحیح، کتاب اللباس، باب التلبید، 5 : 2213، رقم: 5571
3. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب التلبیۃ وصفتہا ووقتہا، 2 : 841، 842، رقم: 1184
4. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء فی التلبیۃ، 3 : 187، 188، رقم: 825، 826
5. ابو داؤد، السنن، کتاب المناسک، باب کیف التلبیۃ، 2 : 162، رقم: 1812
6. نسائی، السنن، کتاب مناسک الحج، باب کیف التلبیۃ، 5 : 159، 160، رقم: 2747، 2750
7. ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب التلبیۃ، 2 : 974، رقم: 2918

یہ تلبیہ عمرہ اور حج کے مناسک کی ادائیگی کے دوران حرمِ کعبہ میں پڑھا جاتا ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ تلبیہ کیا ہے اور اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ دراصل یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُس پکار کا جواب ہے جو اُنھوں نے ایک اندازے کے مطابق آج سے کم و بیش چار ہزار سال قبل تعمیرِ کعبہ کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کی تھی۔ اس حکم کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

**وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ○**

’’اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو لوگ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر (سوار) حاضر ہو جائیں گے جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں ○‘‘

الحج، 22 : 27

احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جبلِ ابوقبیس پر چڑھ گئے اور وہاں سے تمام اکنافِ عالم کو بیت اللہ میں حاضری کے لیے ندا دی: لوگو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، طواف اور حج کے لیے آؤ۔ (1) اس صدائے ابراہیمی علیہ السلام کو روحانی طور پر اس قدر دور رس بنا دیا گیا کہ وہ زمانی و مکانی فاصلوں سے ماوراء ہر اُس جگہ پہنچی جہاں اُس وقت لوگ آباد تھے۔ بلکہ وہ جو عالمِ ارواح میں تھے اور قیامت تک کے لیے عالمِ بشریت میں آنے کے منتظر تھے ان کے کان بھی اس آواز سے آشنا ہوئے اور جس نے اُسے سن کر لَبَّیْکَ کہا اسے حج کی توفیق اور بیت اللہ میں حاضری کا اِذن عطا ہوا۔ اِس بابت چند روایات درج ذیل ہیں:

1. ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، 8 : 2487، 2488، رقم: 13884
2. ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، 5 : 423
3. سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 6 : 32
4. ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 4 : 410

1۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما روایت کرتے ہیں:

**لما بنی إبراهيم البيت أوحى الله إليه أن أذّن فی الناس بالحج. قال: فقال إبراهيم: ألا! إن ربكم قد اتخذ بيتا وأمركم أن تحجوه، فاستجاب له ما سمعه من حجر أو شجر أو أكمة أو تراب: لبيك اللهم لبيك.**

”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کر دیجئے۔ راوی بیان کرتے ہیں: تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: (اے لوگو!) خبردار! بے شک تمہارے رب نے گھر بنایا ہے اور تمہیں اس کا حج کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا آپ کی پکار پر پتھر، شجر، ٹیلے اور مٹی، غرض کوئی شے بھی ایسی نہ تھی جس نے یہ جواب نہ دیا ہو: حاضر ہیں، اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔“

1. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 2 : 601، رقم: 4026
2. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 176، رقم: 9613
3. بیہقی، شعب الإیمان، 3 : 439، رقم: 3998
4. طبری، تاریخ الأمم والملوک، 1 : 156
5. مجاہد، التفسیر، 2 : 422
6. جصاص، إحکام القرآن، 5 : 63
7. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 17 : 144
8. سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 6 : 32

2۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

**لما فرغ إبراهيم عليه السلام من بناء البيت العتيق، قيل له: إذن في الناس بالحج، قال: رب وما يبلغ صوتي، قال: إذن وعلى البلاغ، قال: فقال إبراهيم: يا أيها الناس! كتب عليكم**

**الحج إلى البيت العتيق. قال: فسمعه ما بين السماء إلى الأرض، إلا ترى إن الناس يجيئون من إقاصي الأرض يلبّون.**

”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ان سے کہا گیا: لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اِعلان کریں۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میری آواز (ان تک) نہیں پہنچے گی، ارشاد ہوا: آپ بلایئے اور (آپ کی آواز مخلوق تک) پہنچانا ہمارا کام ہے۔ راوی کہتے ہیں: اس پر ابراہیم علیہ السلام نے پکارا: اے لوگو! تم پر اللہ کے قدیم گھر (خانہ کعبہ) کا حج فرض کر دیا گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: پس آسمان سے لے کر زمین تک تمام مخلوق نے ان کی ندا سنی۔ تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ پوری زمین کے اطراف واکناف سے (ان کی آواز پر لبیک کہنے والے) لوگ تلبیہ کہتے ہوئے چلے آتے ہیں۔“

1. ابن ابی شیبہ، المصنف، 6 : 329، رقم: 31818
2. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 2 : 421، رقم: 3464
3. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 176، رقم: 9614
4. مقدسی، الأحادیث المختارۃ، 10 : 20، 21
5. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 17 : 144

6۔ طبری نے ”جامع البیان فی تفسیر القرآن (17 : 144)“ میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی بیان کی ہے۔

7. سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 6 : 32

8۔ سیوطی نے ''الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (6 : 233)'' میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی بیان کی ہے۔

9. شوکانی، فتح القدیر، 3 : 450

10۔ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، 17 : 143

3۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے ارشاد (وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ)۔کے بارے میں فرماتے ہیں :

**قام إبراهيم خليل اللہ على الحجر، فنادى : يا أيها الناس! كتب عليكم الحج. فأسمع من في أصلاب الرجال وأرحام النساء فأجابه من آمن ممن سبق في علم اللہ أن يحج إلى يوم القيامة : لبّيك اللّهم لبّيك.**

''حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر ندا دی : اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے۔ پس جو کوئی مَردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں میں تھا اس نے سنا۔ پس مومنین میں سے اللہ کے علم کے مطابق جس نے قیامت تک حج کرنا تھا آپ علیہ السلام کی پکار کا جواب دیتے ہوئے کہا : اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔''

1. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 17 : 144

2. سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 6 : 33

3. طبری، تاریخ الأمم والملوک، 1 : 157

4. عسقلانی، فتح الباری، 6 : 406

4۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**لما فرغ إبراهيم عليه السلام من بناء البيت أمره الله أن ينادي في الحج، فقام على المنار، فقال: يا أيها الناس! إن ربكم قد بنى لكم بيتا فحُجُّوه وأجيبوا الله عزوجل، قال: فأجابوه في أصلاب الرجال وأرحام النساء: أجبناك أجبناك لبّيك اللّٰهم لبّيك، قال: فكل من حجّ اليوم فهو ممّن أجاب إبراهيم على قدر مالبّى.**

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اِعلانِ حج کرنے کا حکم دیا، پس آپ ایک مینار پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: اے لوگو! بے شک تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے گھر تعمیر کر دیا ہے، سو تم اس کا حج کرو اور اللہ رب العزت کا پیغام قبول کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں سے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کا پیغام قبول کیا، ہم نے آپ کا پیغام قبول کیا (اور پکارے:) حاضر ہیں، اے اللہ! تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج جو شخص جتنی مرتبہ حج کرتا ہے تو وہ اُنہی میں سے ہوتا ہے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا تھا۔''

1. فاکہی، إخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ، 1 : 446، رقم: 973

درج ذیل کتب میں یہ روایت مختصراً مجاہد بن جبیر مکی سے منقول ہے:

1. ابن ابی شیبۃ، المصنف، 6 : 330، رقم: 31826
2. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 17 : 145
3. ابن عبد البر، التمہید لما فی الموطا من المعانی والأسانید، 15 : 131
4. زیلعی، نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ، 3 : 23

لَبَّیْکَ کی یہ پکار ہزاروں سال پہلے ایک لمحہ کے لیے بلند ہوئی لیکن آج اس نغمۂ سرمدی کی بازگشت ہر طرف سنائی دیتی ہے۔ حجاج کرام اس پکار کو اپنے تصور میں جاگزیں کرکے اس کا جواب دیتے ہیں اور اللہ کے پیارے خلیل علیہ السلام سے متعلق ایک واقعہ کی یاد مناتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے یا واقعہ کو تصور و تخیل میں لا کر اس کی یاد منانا منشائے اِسلام کے عین مطابق ہے۔ جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کو تصور میں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہیں اور خوشی و مسرت اور سرور و انبساط کا اظہار کرتے ہیں۔ جشنِ میلاد کی مختلف تقریبات اور محافلِ نعت کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی یاد منائی جاتی ہے جو اَمرِ جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

### 3۔ طواف کرنا سنتِ انبیاء کی یاد منانا ہے

بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانا اصطلاح میں ''طواف'' کہلاتا ہے۔ طواف کرنا اور اس میں سات چکر لگانا بھی انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ اور سنت رہا ہے۔ درج ذیل روایات سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

1۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

**فکان إوّل من إسّس البیت وصلی فیہ وطاف بہ آدم علیہ السلام.**

''سب سے پہلے بیت اللہ کی بنیاد رکھنے والے، اس میں نماز پڑھنے والے اور اس کا طواف کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام تھے۔''

1. إزرقی، إخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 36، 40
2. سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 1 : 313

2۔ امام محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر عبادت کے لیے جنت جیسا ماحول نہ پا کر غمگیں ہوگئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کے ذریعے) ان کے لیے بیت الحرام تعمیر کر دیا اور انہیں وہاں کوچ کرنے کا حکم دیا۔ سو انہوں نے مکہ کا سفر شروع کیا اور راستے میں جس جگہ قیام کیا وہاں اللہ تعالیٰ نے پانی جاری کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ مکہ پہنچ گئے:

**فأقام بہا یعبد اللہ عند ذلک البیت ویطوف بہ، فلم تنزل دارہ حتی قبضہ اللہ بہا.**

’’پس آپ نے وہیں قیام کیا اور بیت اللہ کے نزدیک اللہ کی عبادت اور اس کے گھر کے طواف میں مگن ہو گئے، سو ان کا گھر اسی جگہ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہیں آپ کی روح قبض فرمائی۔‘‘

1. اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 39

2. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 7 : 425

3. مقدسی، البدء والتاریخ، 4 : 82

3۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ یاقوت میں ملفوف اتارا تھا، اور ان سے فرمایا: اے آدم! میں نے تمہارے ساتھ اپنا یہ گھر اتارا ہے، جس طرح میرے عرش کے گرد طواف ہوتا ہے اُسی طرح اِس کے گرد بھی طواف کیا جائے گا، اور جس طرح میرے عرش کے گرد نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح اس کے گرد بھی نماز پڑھی جائے گی۔ بیت اللہ کے ساتھ فرشتے بھی اترے جنہوں نے اس کی بنیادوں کو پتھروں پر اٹھایا، اور پھر ان بنیادوں پر بیت اللہ رکھ دیا گیا:

**فکان آدم علیہ السلام یطوف حولہ کما یطاف حول العرش، ویصلی عندہ کما یصلی عند العرش.**

’’پس حضرت آدم علیہ السلام اس کے گرد ایسے ہی طواف کرتے جس طرح عرش کے گرد کیا جاتا تھا، اور اس کے پاس اُسی طرح نمازیں پڑھتے جس طرح عرش کے گرد پڑھی جاتی تھیں۔‘‘

اِزرقی، اِخبار مکۃ و ماجاء فیہامن الآثار، 1 : 39

4۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ بھی کئی انبیاء کرام نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ مشہور تابعی مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ حج کرنے والے انبیاء کرام کی تعداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

**حج خمسۃ و سبعون نبیاً، کلہم قد طاف بالبیت.**

’’پچھتّر (75) انبیاء کرام نے حج کیا اور ان سب نے بیت اللہ کا طواف کیا۔‘‘

1. اِزرقی، اِخبار مکۃ و ماجاء فیہامن الآثار، 1 : 67، 68
2. فاکہی، اِخبار مکۃ فی قدیم الدہر و حدیثہ، 4 : 268، رقم : 2599
3. اِحمد بن حنبل، العلل و معرفۃ الرجال، 3 : 193، رقم : 4831

یہ اَمر ذہن نشین رہے کہ طواف میں سات چکر لگانا بھی انبیائے کرام کی سنت رہی ہے، جس کی تصریح درج ذیل روایات سے ہوتی ہے :

5۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

**حج آدم علیہ السلام وطاف بالبیت سبعا.**

’’حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

1. اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 45
2. سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 1 : 320

6۔ امام عبد اللہ بن ابی سلیمان بیان کرتے ہیں :

**طاف آدم علیہ السلام سبعاً بالبیت حین نزل.**

’’جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اُترے تو انہوں نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 43

7۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے طوافِ کعبہ کے بارے میں امام محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں :

**لما فرغ إبراهيم خليل الرحمٰن من بناء البيت الحرام، جاءه جبريل فقال : طف به سبعًا، فطاف به سبعًا هو وإسماعيل.**

’’اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا : اس کے گرد سات چکر لگائیں۔ تو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

1. اِزرقی، اِخبار مکۃ و ما جاء فیہا من الآثار، 1 : 65
2. قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 2 : 129

تمام انبیاء کرام کے بعد حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو سابقہ انبیاء کرام کی سنت برقرار رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہمیشہ دورانِ طواف بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔

8۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں :

**قدم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطاف بالبیت سبعا.**

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مکہ) تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (طواف کرتے ہوئے) بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب من صلی رکعتی الطواف خلف المقام، 2 : 588، رقم : 1547
2. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء فی السعی بین الصفا والمروۃ، 2 : 593، رقم : 1563
3. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب متی یَحِلُّ المعتمر، 2 : 636، رقم : 1700
4. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب ما یُلزم من اِحرم بالحج، 2 : 906، رقم : 1234

9۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

**اِن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حین قدم مکۃ طاف بالبیت سبعا.**

’’بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (طواف کرتے ہوئے) بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

1. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ماجاء إنہ یبدإ بالصفا قبل المروۃ، 3 : 216، رقم: 862

2. ترمذی، الجامع الصحیح، إبواب التفاسیر، باب ومن سورۃ البقرۃ، 5 : 210، رقم: 2967

3. نسائی، السنن، کتاب مناسک الحج، باب القول بعد رکعتی الطواف، 5 : 235، رقم: 2961

4. ابن خزیمہ، الصحیح، 4 : 170، رقم: 2620

5. طبرانی، المعجم الصغیر، 1 : 126، رقم: 187

مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ طواف میں سات چکر لگانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کی پیروی ہے، اِس کے ذریعے ہم اُن کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

## 4۔ رمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے اَندازِ طواف کی یاد منانا ہے

کعبۃ اللہ کا طواف مناسکِ حج کا اہم حصہ ہے۔ حجاج کرام کو یہ حکم ہے کہ وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ اکڑ کر چلیں۔ اسے اِصطلاحاً رمل کہا جاتا ہے۔ عام حالات میں اکڑ اکڑ کر چلنا غرور و تکبر کی علامت ہے اور اللہ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے، (1) جب کہ حج

میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مسلسل ریاضت و مشقت کی وجہ سے مسلمان دبلے پتلے اور کمزور ہو گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب وہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ پہنچے تو ان کی حالت سے نقاہت کا اظہار ہوتا تھا۔ طوافِ کعبہ کرتے ہوئے انہیں آہستہ آہستہ چلتے دیکھ کر کفارِ مکہ طعنہ زنی کرنے لگے کہ مسلمان مکہ میں تو خوش حال تھے، مدینہ جا کر ان کی حالت اتنی اَبتر ہو گئی ہے کہ ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتے۔

(1) حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

**إلا إخبركم بأهل الجنة؟ كل ضعيف متضعف، لو إقسم على الله لأبره. إلا إخبركم بأهل النار؟ كل عتل، جواظ، مستكبر.**

”کیا میں تمہیں اہلِ جنت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (خود ہی فرمایا:) ہر کمزور اور حقیر سمجھا جانے والا، لیکن اگر وہ اللہ کے بھروسے پر کوئی قسم کھالے تو اللہ اُسے سچا کر دیتا ہے۔ اور کیا میں تمہیں دوزخیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (پھر خود ہی فرمایا:) ہر درشت خو، جھگڑالو اور تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب سورة ن والقلم، 4 : 1870، رقم: 4634
2. بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب الکبر، 5 : 2255، رقم: 5723

3. مسلم، الصحیح، کتاب الجنتہ وصفۃ نعیمہا واہلہا، باب النار یدخلہا الجبارون والجنتہ یدخلہا الضعفاء، 4 : 2190، رقم، 2853

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

**یقول اللہ عزوجل : العظمۃ إزاری، والکبریاء ردائی، فمن نازعنی واحدا منہما ألقیتہ فی النار.**

’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : عظمت میری اِزار ہے، اور بڑائی میری چادر ہے۔ پس جو کوئی اِن دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا تو میں اُسے دوزخ میں ڈال دوں گا۔‘‘

1. ابن اِبی شیبۃ، المصنف، 5 : 329، رقم : 26579

2۔ طبرانی نے ’’المعجم الاوسط (3 : 352، رقم : 3380)‘‘ میں اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

3. قضاعی، مسند الشہاب، 2 : 331، رقم : 1464

4. بیہقی، شعب الایمان، 6 : 380، رقم : 8157

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں کی اس طعنہ زنی اور استہزاء کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حکم دیا کہ کافروں کی بات غلط ثابت کرنے کے لیے طواف کے دوران میں اکڑ اکڑ کر اور کندھے مٹکا مٹکا کر چلیں۔ اس

وقت سے یہ انداز مناسکِ حج میں شامل ہو گیا۔ اگرچہ اس کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی اور سرزمینِ حرم کفار و مشرکین کے وجود سے خالی ہوئے صدیاں بیت چکی ہیں لیکن اب تک طواف کی ادائیگی کا معمول وہی ہے۔

امام مسلم نے ''الصحیح'' میں کتاب الحج کے تحت باب استحباب الرمل فی الطواف والعمرة وفی الطواف الاول من الحج میں اس موضوع پر کئی احادیثِ مبارکہ مفصل روایت کی ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

1۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یثرب (مدینہ منورہ) کے بخار سے کمزور ہو جانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ (واقعۂ حدیبیہ کے اگلے سال عمرہ کے لیے) مکہ تشریف لائے تو ان کے آنے کی خبر پا کر مشرکین مکہ (کے سرداروں) نے (اپنی قوم سے) کہا: کل تمہارے پاس ایک ایسی قوم آئے گی جسے شدید بخار نے کمزور کر دیا ہے، پس وہ (اس خبر پر) حجر اسود کے پاس بیٹھ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَصحاب کی تشریف آوری ہوئی تو :

**اِمرہم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن یرملوا ثلاثة اِشواط، ویمشوا مابین الرکنین لیرَی المشرکون جلدہم. فقال المشرکون : ہؤلاء الذین زعمتم اِن الحمی قد وہنتہم، ہؤلاء اِجلد من کذا وکذا.**

”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو دونوں رکنوں (یمانی) کے درمیان تین چکروں میں اکڑ کر اور (باقی میں) آرام سے چلنے کا حکم دیا تاکہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ (یہ منظر دیکھ کر) مشرکین نے کہا: کیا ان کے بارے میں تم کہتے تھے کہ انہیں بخار نے کمزور کر دیا؟ یہ تو اتنے طاقت ور ہیں، یہ تو اتنے جری ہیں۔“

1. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إستحباب الرمل فی الطواف والعمرة وفی الطواف الأول من الحج، 2 : 923، رقم: 1266
2. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب کیف کان بدء الرمل، 2 : 581، رقم: 1525
3. احمد بن حنبل، المسند، 1 : 294
4. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 82، رقم: 9056

2۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں بالصراحت فرمایا:

**إنما سعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالبیت، وبین الصفا والمروة، لیری المشرکین قوته.**

”بیت اللہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف مشرکین کو اپنی قوت دکھانے کے لیے کی۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء فی السعی بین الصفا والمروة، 2 : 594، رقم: 1562
2. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إستحباب الرمل فی الطواف والعمرة وفی الطواف الأول من الحج، 2 : 923، رقم: 1266

3. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء فی السعی بین الصفا والمروۃ، 3 : 217، رقم : 863

4. نسائی، السنن الکبری، 2 : 405، رقم : 3941

5. حمیدی، المسند، 1 : 232، رقم : 497

6. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 82، رقم : 9057، 9058

3۔ اسی طرح حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

**إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم مکۃ، فقال المشرکون : إن محمدا وأصحابہ لا یستطیعون إن یطوفوا بالبیت من الھزل، وکانوا یحسدونہ، قال : فأمرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إن یرملوا ثلاثاً ویمشوا أربعا.**

''جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے تو مشرکین کہنے لگے : بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کمزوری کے باعث بیت اللہ کا طواف کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ درحقیقت وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ (اسی طعنہ کی وجہ سے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے) صحابہ کو تین چکروں میں رمل کرنے اور چار میں چلنے کا حکم دیا۔''

1. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إستحباب الرمل فی الطواف وفی الطواف الأول من الحج والعمرۃ، 2 : 921، 922، رقم : 1264

2. ابن حبان، الصحیح، 9 : 154، رقم: 3845
3. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 100، رقم: 9161

## 5۔ طواف میں اِضطباع کرنا بھی سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

طواف کے دوران اِحرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈالنا ’’اِضطباع‘‘ کہلاتا ہے۔ (1) جیسا کہ سابقہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ کو اپنا رعب و دبدبہ اور قوت دکھانے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو رمل کا حکم دیا، اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ طواف میں اضطباع کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس محبوب سنت پر عمل کرنا تمام حجاج اور معتمرین (عمرہ کرنے والوں) پر لازم قرار پایا۔ وہ تا ابد اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سنت دہرا کر اس کی یاد مناتے رہیں گے۔

(1) ابن منظور، لسان العرب، 8 : 216

1۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

**إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وإصحابہ اعتمروا من الجعرانۃ، فرملوا بالبیت وجعلوا إردیتھم تحت آباطھم قد قذ فوھا علی عواتقھم الیسری.**

”بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کا اِحرام باندھا تو انہوں نے بیت اللہ (کے گرد تین چکروں) میں رمل کیا اور اپنی چادروں کو (دائیں) بغلوں سے نکال کر بائیں کندھوں پر ڈال لیا۔“

1. اِبو داؤد، السنن، کتاب المناسک، باب الِاضطباع فی الطواف، 2 : 177، رقم: 1884
2. اِحمد بن حنبل، المسند، 1 : 306
3. طبرانی، المعجم الکبیر، 12 : 62، رقم: 12478
4. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 79، رقم: 9038، 9039
5. مقدسی، الأحادیث المختارة، 10 : 207، 208، رقم: 213 - 215

2۔ حضرت یعلٰی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

**طاف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مضطبعاً بُبرد اِخضر.**

”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز چادر کے ساتھ اِضطباع کرتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا۔“

1. اِبو داؤد، السنن، کتاب المناسک، باب الِاضطباع فی الطواف، 2 : 177، رقم: 1883
2. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء اِن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طاف مضطبعا، 3 : 214، رقم: 859
3. ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب الِاضطباع، 2 : 984، رقم: 2954

4. دارمی، السنن، 2 : 65، رقم : 1843

5. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 79، رقم : 9035

3۔ علامہ طیبیؒ اِضطباع کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں :

**إنما فعل ذلک إظهارًا للتشجع، کالرمل فی الطواف.**

’’حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فعل صرف شجاعت و بہادری کے اِظہار کے لیے کیا جس طرح طواف میں رمل اختیار کیا۔‘‘

1. عظیم آبادی، عون المعبود علی سنن إبی داؤد، 5 : 236

2. مبارک پوری، تحفۃ الأحوذی فی شرح جامع الترمذی، 3 : 506

آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد ہم طواف میں اِضطباع مکہ میں کسی کافر کو دکھانے کے لیے نہیں کرتے بلکہ فقط اُسی سنت کو ادا کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے سرانجام دی۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اِس عمل کی یاد منا کر اپنے دل و دماغ روشن کرتے ہیں اور یہ روشنی ہمیں آج بھی باطل کے خلاف چوکس اور مستعد کرنے میں مہمیز کا کام دیتی ہے۔

## 6۔ تقبیلِ حجرِ اَسود : حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادا دُہرائی جاتی ہے

حجرِ اسود کی شرف وفضیلت کا ایک سبب یہ ہے کہ اسے حضرت جبریل علیہ السلام جنت سے لے کر آئے تھے۔ (1) انبیاء کرام حکمِ اِلٰہی کے تحت حجرِ اَسود کا بوسہ لیتے اور اِستلام کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو حرمِ کعبہ کے اندر نصب فرمایا اور اپنے مقدس لبوں سے اسے بوسہ دیا۔ چنانچہ حجرِ اَسود کا استلام اور بوسہ مناسک حج میں شامل کر دیا گیا۔ آج مسلمان صرف اِس لیے اس کا استلام کرتے اور بوسہ لیتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا تھا۔ اِس اَمر کی تائید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اَسود کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اسے فرمانے لگے :

1. اِرزقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 62، 64، 325
2. ابن اِبی شیبۃ، المصنف، 3 : 275، رقم : 14146
3. ابن الجعد، المسند : 148، رقم : 940
4. فاکہی، اِخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ، 1 : 91، رقم : 25
5. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3 : 242

**إِنی إِعلم إِنک حجر، لا تضر ولا تنفع، ولولا إِنی رإِیت النبّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقبّلک ما قبّلتک.**

”میں جانتا ہوں بے شک تو ایک پتھر ہے جو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، 2 : 579، رقم : 1520
2. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الرمل فی الحج والعمرۃ، 2 : 582، رقم : 1528
3. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب تقبیل الحجر، 2 : 583، رقم : 1532
4. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إستحباب تقبیل الحجر الأسود فی الطواف، 2 : 925، رقم : 1270
5. ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب إستلام الحجر، 2 : 981، رقم : 2943
6. نسائی، السنن الکبری، 2 : 400، رقم : 3918
7. اِحمد بن حنبل، المسند، 1 : 46، رقم : 325

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان الفاظ کے ساتھ بھی مذکور ہے :

**إنما إنت حجر، ولو لا إنی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبّلک، ما قبّلتک.**

”(اے حجرِ اَسود!) تو محض ایک پتھر ہے۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔“

1. مالک، الموطا، کتاب الحج، باب تقبیل رکن الأسود فی الاستلام، 1 : 367، رقم : 818
2. اِحمد بن حنبل، المسند، 1 : 53، رقم : 380

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اَسود کو بوسہ دیا۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے پیشِ نظر تقبیلِ حجرِ اَسود کا مقصد صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی یاد تازہ کرنا تھا، اور یہی سنت تا قیامت جاری رہے گی۔

## 7۔ قیامِ مقامِ اِبراہیم سیدنا اِبراہیم علیہ السلام کی یاد دلاتا ہے

لغت کی رو سے مقام قدم رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ (1) مقامِ ابراہیم کے تعین کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں: جمہور علماء و مفسرین کے نزدیک حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنھم و دیگر کے قول کے مطابق مقامِ ابراہیم اُس پتھر کو کہا جاتا ہے جسے لوگ اب مقامِ ابراہیم کے نام سے پہچانتے اور اس کے نزدیک طواف کی دو رکعت ادا کرتے ہیں۔ صحیح ترین قول بھی یہی ہے۔ (2) اِس کی وضاحت امام بخاری (194۔256ھ) کی بیان کردہ اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ کر دیواریں بنا رہے تھے۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو وہ اِس پتھر کو لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اِس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے۔ (3) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لائے ہوئے پتھر اُٹھانے سے ضعف لاحق ہوا تو وہ اِس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر

کرنے لگے اور یہ پتھر کعبہ کے عمارت کے اِرد گرد گھومتا رہتا یہاں تک کہ تعمیر مکمل ہو گئی۔(4)

1. فراہیدی، کتاب العین، 5 : 232
2. فیروزآبادی، القاموس المحیط، 4 : 170
3. ابن منظور، لسان العرب، 12 : 498
4. زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، 17 : 592

(2) 1. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 1 : 537
2. قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 2 : 112
3. رازی، التفسیر الکبیر، 4 : 45
4. آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، 1 : 379
5. عسقلانی، فتح الباری، 1 : 499

(3) 1. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب یزفون: النسلان فی المشی، 3 : 1235، رقم: 3184
2. عبدالرزاق، المصنف، 5 : 110، رقم: 9107
3. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 1 : 550
4. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم 1 : 178

5. قزوینی، التدوین فی اخبار قزوین، 1 : 105

(4) 1. اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 58

2. اِزرقی، اِخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 2 : 33

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا:

**یا رسول اللہ! لو اتخذت من مقام إبراہیم مصلی.**

’’یا رسول اللہ! کاش آپ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں۔‘‘

اس پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

**وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى.**

القرآن، البقرۃ، 2 : 125

’’اور ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنالو۔‘‘ (1)

(1) 1. بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ: واتخذوا من مقام إبراہیم مصلی، 4 : 1629، رقم: 4213

2. ترمذی، الجامع الصحیح، إبواب التفاسیر، باب ومن سورۃ البقرۃ، 5 : 206، رقم: 2960

3. ابن ماجہ، السنن، کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب القبلۃ، 1 : 322، رقم: 1008

4. نسائی، السنن الکبری، 6 : 289، رقم: 10998
5. ابن حبان، الصحیح، 15 : 319، رقم: 6896
6. احمد بن حنبل، المسند، 1 : 36، رقم: 250

اس حکم کی تعمیل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ اِبراہیم کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بیت اللہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِستلامِ رکن کیا، پھر طواف کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمول کے مطابق طواف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ ابراہیم پر آئے اور آیت (**وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى**)۔ تلاوت فرمائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔
مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 887، رقم: 1218

پس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس پتھر کو مقامِ نماز بنا لینے کا حکم فرمایا جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر کو یہ شرف ملا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنا مقامِ نماز بنایا۔ اِس طرح قیامت تک بیت اللہ کا طواف کرنے والے تمام مسلمانوں کے لیے واجب قرار پا گیا کہ جب تک وہ اس مقام پر دو رکعت نماز نہ ادا کر لیں ان کا طواف مکمل نہیں ہوگا۔ (اگر مقام ابراہیم پر نماز کی جگہ نہ ملے تو دوسری جگہ پر بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے، لیکن اَفضلیت اسی کو حاصل ہے۔) (1) پس تعمیرِ کعبہ میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی کے طور پر مقامِ ابراہیم ہمیشہ مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرکز رہے گا اور وہ اِس مقام پر نوافل ادا کرکے حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی تعمیرِ کعبہ کی یاد مناتے رہیں گے۔

1. سرخسی، کتاب المبسوط، 4 : 12
2. کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، 2 : 148
3. سمرقندی، تحفۃ الفقہاء، 1 : 402
4. ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنزالد قائق، 2 : 356

## 8۔ صفا و مروہ کی سعی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی سنت ہے

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب بندوں سے صادِر ہونے والے ایسے اَفعال جو انہوں نے عبادت کی نیت سے کیے ہوتے ہیں نہ بظاہر عبادت لگتے ہیں، مگر رب کریم کی بارگاہ میں اتنے پسندیدہ اور مستجاب ہوتے ہیں کہ اُنہیں اِجتماعی عبادت کا جزو بنادیا جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان دیوانہ وار دوڑنا ہے۔ باری تعالیٰ کو اپنی اس پیاری بندی کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اسے مناسکِ حج کا حصہ بنادیا۔ اسے اِصطلاح میں سعی کہتے ہیں اور یہ حج و عمرہ کے واجبات میں سے ہے۔

یہ بات قطعی طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ سعی کے سات چکروں کے مابین کوئی مخصوص ذکر، اوراد و وظائف یا قرآنی آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ البتہ آپ اگر چاہیں تو

قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ سکتے ہیں، مختلف دعوات، تسبیحات اور مناجات کر سکتے ہیں، درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں اور اگر کچھ بھی زبانی یاد نہ ہو تو صرف اللہ کے نام کا ذکر کرتے رہیں یا جو کلمۂ خیر آپ کو یاد آ جائے پڑھ لیں، یہ سب جائز ہے۔ اگر کچھ بھی یاد نہ رہے تب بھی خاموشی سے سعی کے سات چکر صفا اور مروہ کے درمیان مکمل کریں۔

صفا و مروہ کی سعی کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے امام بخاری (194. 256ھ) اور دیگر ائمہ حدیث و تفسیر نے متعدد احادیث و روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت درج ذیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کو (شام سے) مکہ لے آئے۔ ان دنوں مکہ میں کوئی شخص آباد تھا نہ پانی کا نام و نشان تھا۔ پس آپ نے ان دونوں کو بیت اللہ کے قریب چھوڑ دیا اور ایک تھیلے میں چند کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی بھی رکھ دیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کی طرف واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام اُن کے پیچھے پیچھے آئیں اور آواز دے کر ان سے پوچھا: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر جا رہے ہیں جہاں کوئی انسان بستا ہے نہ کوئی اور چیز۔ انہوں نے کئی بار اپنا سوال دہرایا لیکن حضرت ابراہیم نے ان کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا۔ پھر انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: یہ بات ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر وہ اسی جگہ لوٹ آئیں۔ پھر

حضرت ابراہیم علیہ السلام چل پڑے یہاں تک کہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جب وہ مقامِ ثنیہ پر پہنچے تو ہاتھ بلند کرکے اللہ کے حضور ان کلمات کے ساتھ دعا کی :

**رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ o**

’’اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد (اِسماعیل علیہ السلام) کو (مکہ کی) بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسا دیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم رکھیں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ شوق و محبت کے ساتھ ان کی طرف مائل رہیں اور انہیں (ہر طرح کے) پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر بجالاتے رہیںo‘‘

ابراہیم، 14 : 37

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں :

**وجعلت اِم إسماعيل تُرضع إسماعيل، وتشرب من ذلک الماء، حتی إذا نَفِدَ ما في السِّقاء عطشت وعطش ابنها. وجعلت تنظر إليه يتلوّی، او قال : يتَلَبَّط، فانطلقت کراهية ان تنظر إليه، فوجدت الصَّفا اقربَ جبلٍ في الأرض يليها، فقامت عليه، ثم استقبلت الوادي تنظر هل تری احداً فلم تر احداً، فهبطت من الصفا حتی إذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها، ثم سعت سعي الإنسان المجهود حتی جاوزت الوادي، ثم اتت المروة فقامت عليها ونظرت هل تری احداً فلم تر احداً، ففعلت ذلک سبع مرات.**

”حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلانے لگیں اور اسی پانی سے پینے لگیں یہاں تک کہ ان کے مشکیزہ سے پانی ختم ہوگیا جس سے وہ اور ان کا بیٹا پیاسے ہوگئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو سالہ بچہ پیاس سے تڑپنے کے باعث ایڑیاں زمین پر مار رہا ہے، اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ پانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اسی جگہ قریب ہی صفا پہاڑی تھی اس پر چڑھ کر وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں کہ کوئی نظر آ جائے مگر انہوں نے کسی کو نہ دیکھا۔ پس صفا سے اتر کر وادی میں آئیں تو دامن سمیٹ کر مصیبت زدہ انسان کی طرح تیز دوڑ کر انہوں نے وادی کو عبور کیا، پھر مروہ پہاڑی پر چڑھ کر ادھر ادھر کسی انسان کو دیکھنے لگیں مگر انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ اس طرح انہوں نے (صفا اور مروہ کے درمیان) سات چکر لگائے۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**فذلک سعی الناس بینهما.**

”یہی وجہ ہے کہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان (حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے) سعی کرتے ہیں۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: واتخذ اللہ إبراهیم خلیلا، 3 : 1228، 1229، رقم: 3184

2. نسائی، السنن الکبری، 5 : 100، رقم: 8379

3. عبدالرزاق، المصنف، 5 : 105،106، رقم: 9107
4. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 100، رقم: 8379
5. نسائی، فضائل الصحابۃ، 1 : 82، رقم: 273
6. قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 9 : 368،369
7. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1 : 177

خدائے ذوالجلال کو اپنی اِس پیاری بندی کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ صفا و مروہ کو شعائر اللہ قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ.**

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

البقرۃ، 2 : 158

اِس واقعہ کو تقریباً چار ہزار سال گزر گئے ہیں۔ اب نہ تو وہ وادی باقی رہی ہے، نہ وہ پہاڑیاں اُس حالت میں موجود ہیں اور نہ ہی اللہ کی اُس محبوب بندی پر جو کیفیت بیتی تھی وہ باقی ہے۔ پھر بھی حجاج کرام حکمِ ایزدی کی تعمیل میں سعی کرتے ہیں۔ جب حجاج کرام اور معتمرین (عمرہ کرنے والے) صفا و مروہ کے اس حصے میں پہنچتے ہیں تو دوڑ کر گزرتے ہیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں ایک سے دوسرے پہاڑ کی چوٹی تک اس گہری وادی کو عبور کرنے کے لیے دوڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی محبوب بندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا یہ

عمل بہت پسند آیا، اور آج بھی ہم اُسی اضطراب و پریشانی کی کیفیت کو تصور و تخیل میں لا کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں سعی کرتے ہیں۔

## زم زم کی وجہ تسمیہ

جب گلشنِ ابراہیم علیہ السلام کے نونہال اسماعیل علیہ السلام نے پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑیں تو قدرتِ الٰہیہ سے پتھریلی زمین سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ تیز پانی کا چشمہ دیکھ کر سیدہ ہاجرہ علیھا السلام نے ننھے اسماعیل کو نقصان پہنچ جانے کے ڈر سے فرمایا: زَمْ زَمْ (رُک جا)۔ آپ کے حکم پر تیزی سے بہنے والا پانی معتدل رفتار سے بہنے لگا اور یوں اس کا نام ہی زَمْ زَمْ پڑ گیا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد یہ چشمہ آج بھی جاری ہے۔ زائرینِ مکہ کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے۔ اسے نہایت ادب سے باوضو حالت میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے۔ (1) اس پانی کا یہ خاص حکم اس لیے ہے کہ اسے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسبت حاصل ہے۔ اسی بناء پر یہ دنیا کے تمام پانیوں پر فضیلت رکھتا ہے اور بہت سی اَمراض میں باعثِ شفاء ہے۔

1. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء فی زمزم، 2 : 590، رقم: 1556
2. بخاری، الصحیح، کتاب الأشربۃ، باب الشرب قائما، 5 : 2130، رقم: 5294
3. مسلم، الصحیح، کتاب الأشربۃ، باب فی الشرب من زمزم قائما، 3 : 1601، 1602، رقم: 2027
4. عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، 9 : 277

مندرجہ بالا نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی واقعہ کی یاد منانے کو نہ صرف جائز بتایا گیا ہے بلکہ مختلف اعمال کو شریعت کا مستقل حصہ بنا کر ان کے بجالانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ ہمیں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی رحمت، اس کا فضل اور اس کا سب سے بڑا احسان اور انعام ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نسل انسانی پر فرمایا ہے۔ اِس فضل و اِحسان پر اِظہارِ تشکر کے طور پر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، جن سے دِلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی چنگاری سلگائی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِطاعت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

## 9۔ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی یادگار ہیں

حجاج کرام نویں ذی الحج کو میدانِ عرفات میں قیام کرتے ہیں۔ اس میں کوئی خاص عبادت لازمی طور پر ادا نہیں کی جاتی۔ وقوفِ عرفات فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ عرفات کی یہ حاضری حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے درمیان اس ملاقات کی یاد دلاتی ہے جو نویں ذوالحجہ کو اس میدان میں ہوئی۔ اس کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

1۔ مزدلفہ اور عرفات کی وجہ تسمیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما درج ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

**اہبط آدم علیہ السلام بالہند وحواء بجدۃ، فجاء فی طلبہا حتی اجتمعا، فازدلفت إلیہ حواء فلذلک سمیت المزدلفۃ، وتعارفا بعرفات فلذلک سمیت عرفات، واجتمعا بجمع فلذلک سمیت جمعًا.**

''حضرت آدم علیہ السلام کو ہند اور حضرت حواء کو جدہ کے مقام پر اتارا گیا، پس حضرت آدم علیہ السلام ان کی تلاش میں نکلے تو ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا۔ حضرت حوا علیہا السلام (اس مقام پر) ان کے قریب ہوئیں تو اس کا نام ''مزدلفہ'' پڑ گیا، اور ان دونوں نے عرفات کے مقام پر ایک دوسرے کو پہچان لیا تو اس کا نام ''عرفات'' ہو گیا اور (نویں ذی الحج کو) جمع ہونے کے مقام پر ان کا اکٹھ ہوا تو اس کا نام ''یوم جمع'' ہو گیا۔''

1. طبری، تاریخ الامم والملوک، 1 : 79
2. ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، 1 : 34
3. ابن سعد، الطبقات الکبری، 1 : 39
4. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 69 : 109

2۔ جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو ہند کے ایک پہاڑ ''نوذ'' پر جبکہ حضرت حواء علیہا الاسلام کو حجاز میں ''جدہ'' کے مقام پر اتارا گیا۔ ابن سعد (168۔230ھ)، طبری (224۔310ھ) اور نووی (631۔677ھ) کے مطابق پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حواء علیہا السلام کو مقامِ عرفات پر پہچان لیا، پس اسی وجہ سے اسے ''عرفۃ'' کا نام دیا گیا۔

1. طبری، تاریخ الأمم والملوک، 1 : 79

2. ابن سعد، الطبقات الکبری، 1 : 35، 36

3. نووی، تہذیب الأسماء واللغات، 3 : 237

3۔ امام قرطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ (284۔380ھ) اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں لکھتے ہیں :

**إن آدم لما هبط وقع بالهند، وحواء بجدة، فاجتمعا بعد طول الطلب بعرفات يوم عرفة وتعارفا، فسمي اليوم عرفة والموضع عرفات، قاله الضحاک.**

''جنت سے زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حواء علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا، کافی تگ و دو کے بعد آپس میں ان کی ملاقات عرفہ کے دن مقامِ عرفات پر ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ پس اس دن کو ''یوم عرفہ'' اور اس جگہ کو ''عرفات'' کا نام دے دیا گیا۔ یہ قول امام ضحاک کا ہے۔''

قرطبیؒ، الجامع لأحکام القرآن، 2 : 415

4۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (773۔852ھ)، یاقوت حموی (م 626ھ) اور علامہ شوکانی (1173۔1250ھ) مُزدلفہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں :

**وسميت المزدلفة جمعاً، لأن آدم اجتمع فيها مع حواء، وازدلف إليها اي دنا منها.**

''مزدلفہ کو ''جمع'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت حواء علیہا السلام کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور ان کے قریب ہوئے۔''

1. عسقلانی، فتح الباری، 3 : 523

2. یاقوت حموی، معجم البلدان، 5 : 121

3. شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، 1 : 423

5۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما منیٰ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں :

**إنما سميت منى منى لأن جبريل حين إراد إن يفارق آدم عليه السلام، قال له : تمن، قال : إتمنى الجنة. فسميت منى لأمنية آدم عليه السلام.**

’’منیٰ کو منیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے مفارقت کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا: آپ کی کوئی خواہش ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے جنت کی آرزو ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی خواہشات کی وجہ سے اسے منیٰ کا نام دیا گیا۔‘‘

1. إزرقی، إخبار مکة وما جاء فیها من الآثار، 2 : 180

2. نووی، تہذیب الأسماء واللغات، 3 : 333

3. قرطبیؒ، الجامع لأحکام القرآن، 3 : 7

جس طرح رمی الجمرات سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ کی یاد اور سعی بین الصفاء والمروہ، سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی یاد دہرانے اور تلبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور پکار کے جواب کا نام ہے۔ اسی طرح وقوفِ عرفات اور مزدلفہ اس ملاقات کی یادگار ہے جو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے درمیان جنت سے زمین پر تشریف

لانے اور طویل عرصہ کی جدائی کے بعد اس میدان میں ہوئی جس میں انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان کر قربت اختیار کی۔ یہ بات یاد رہے کہ ''عرفات'' اور ''مزدلفہ'' کا لغوی معنی ہی ''پہچاننا'' (1) اور ''قریب ہونا'' (2) ہے۔

1. فراہیدی، کتاب العین، 2 : 121

2. ابن منظور، لسان العرب، 9 : 236، 242

(2) 1. خطابی، غریب الحدیث، 2 : 24

2. ابن منظور، لسان العرب، 9 : 138

باری تعالیٰ نے اپنے ان مقبول بندوں کی اس ملاقات کی یاد زندہ و جاوید رکھنے کے لیے ہر سال حج کے لیے آنے والوں پر 9 ذی الحج کو ان میدانوں میں وقوف اور حاضری لازمی قرار دی ہے۔

## 10۔ عرفات و مزدلفہ میں ظہرین و مغربین کی ادائیگی سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

مسلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہمیشہ اپنے وقت پر نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن حجاج کرام میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کرتے ہیں۔ ایسا صرف اس لیے ہے کہ اللہ کے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ عرفات میں ظہر و عصر اکٹھی ادا کی تھیں۔ لہٰذا اس کی پیروی ہر خاص و عام کے لیے

واجب قرار پائی۔ پھر مغرب کا وقت آ جاتا ہے۔ مسلمان غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب ادا کرنے کے پابند ہیں، لیکن حجاج کرام کے لیے قانونِ شریعت کی یہ پابندی معطل ہو گئی۔ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز مزدلفہ جا کر عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کی تھی، لہٰذا حجاج کرام بھی مزدلفہ پہنچ کر دونوں نمازیں اکٹھی ادا کرنے کے پابند ہیں۔اس حوالے سے چند روایات درج ذیل ہیں :

1۔ محدثین کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃالوداع کے بارے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔ اس میں انہوں نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ میدان عرفات میں ظہر اور عصر جبکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ادا کیں۔

1. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 886. 892، رقم : 1217

2. ابوداود، السنن، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 185، رقم: 1905

2۔امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

**إن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلّٰی الظهر والعصر بأذانٍ واحد بعرفة ولم یسبح بینهما وإقامتین، وصلی المغرب والعشاء بجمْعٍ بأذان واحد وإقامتین ولم یسبح بینهما.**

’’بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر پڑھائی اور ان کے درمیان کوئی تسبیح نہ پڑھی، اور مقامِ مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء پڑھائی اور ان کے درمیان کوئی تسبیح نہ پڑھی۔‘‘

1. ابوداود، السنن، کتاب المناسک، باب صفة حجة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 186، رقم: 1906

2. بیہقی، السنن الکبری، 1 : 400، رقم: 1741

3۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

**ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلّٰی صلاة إلا لمیقاتها إلا صلاتَین : صلاة المغرب والعشاء بجمْعٍ.**

’’میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ مقررہ وقت پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے سوائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی دو نمازوں کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جمع کرکے ادا کیا ہے۔‘‘

1. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلاۃ الصبح یوم النحر بالمزدلفۃ، 2 : 938، رقم: 1289
2. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب متی یصلی الفجر بجمع، 2 : 904، رقم: 1598

نماز مومنین پر وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے (1) تاہم مذکورہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں مقررہ اَوقات کی پابندی کی بجائے نمازیں اکٹھی پڑھنے کا حکم ہے۔ کیوں کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی سنت ہے۔

(1) القرآن، النساء، 4 : 103

## 11۔ قربانی ذبحِ اسماعیل علیہ السلام کی یاد ہے

حجاج کرام مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران میں اور روئے زمین پر بسنے والے دیگر مسلمان بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور ذبح کرکے سنتِ ابراہیمی کی یاد مناتے ہیں۔ یہ سارا عمل دراصل اس منظر کی یاد تازہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جب منشائے ایزدی کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے اس میدان میں لے آئے تھے۔ یہ عظیم قربانی بارگاہِ خداوندی میں اس قدر مقبول ہوئی کہ آج بھی ہر سال حجاج کرام اس قربانی کی یاد میں جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔

قربانی دینے کی یہ ادا اللہ رب العزت کو اتنی پسند آئی کہ اسے صرف حج کے مناسک تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر لازمی قرار دے دیا کہ اللہ کی راہ میں جانور قربان کریں۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (21۔110ھ) اس پر درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

**مافدی إسماعیل إلا بتیس کان من الأروی اہبط علیہ من ثبیر، ومایقول اللہ عزوجل: (وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ) (1) لذبیحتہ فقط، ولکنہ الذبح علی دینہ فتلک السنۃ إلی یوم القیامۃ، فاعلموا إن الذبیحۃ تدفع میتۃ السوء فضحّوا عباد اللہ. (2)**

''حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں بہت ہی موٹا تازہ بکرا وادیٔ ثبیر (جبلِ مکہ) سے اتارا گیا تھا، (قرآن حکیم میں) اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے: (اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اس کا فدیہ کر دیاo) اِس آیت میں ذبیحہ کو حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ذبح کرنا قیامت تک کے لیے سنت قرار دے دیا گیا ہے۔ (امام حسن بصری مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:) تمہیں جاننا چاہئے کہ ذبیحہ میت سے برائی کو دور کر دیتا ہے، لہٰذا اللہ کے بندو! تم قربانی کیا کرو۔''

(1) الصافات، 37 : 107

(2) 1. طبری، تاریخ الامم والملوک، 1 : 167

2. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 23 : 87، 88

3. فاکهی، اِخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ، 5 : 124

یہ عمل بلاشبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیھما السّلام کی عظیم قربانی کی یاد منانا (celebration) ہے تاکہ اُمت دین کی روح سے وابستہ رہے اور اللہ کی راہ میں جان ومال لٹانے میں دل ہمہ وقت تسلیم و رضا کی کیفیت میں ڈوبا رہے۔

## قربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں

یوں تو دنیامیں ہر جگہ راہِ خدامیں جانور ذبح کیے جاتے ہیں لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہونے کی وجہ سے قربانی کے لیے ذبح کیے جانے والے جانوروں کی حیثیت منفرد اور جداگانہ ہے۔ انہیں اس خاص نسبت کی وجہ سے شعائر اللہ کا درجہ دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

**وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُم مِّن شَعَآئِرِ اللّٰهِ.**

’’اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔‘‘

الحج، 22 : 36

آج بھی سنتِ اِبراہیمی کے انہی واقعات کو تخیل و تصور میں لاکر قربانی کی جاتی ہے جس سے اللہ کا پسندیدہ عمل اس کی رضا کے حصول کا باعث بن جاتا ہے۔

## 12۔ کنکریاں مارنے کا عمل سنتِ ابراہیمی علیہ السلام ہے

حجاج کرام تین دن منٰی میں قیام کرتے ہیں اور ان ستونوں کو پتھر مارتے ہیں جو جمرۂ اُولیٰ، جمرۂ وُسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل کی یادگار ہے۔

1۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**إن جبريل ذهب بإبراهيم إلى جمرة العقبة، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات، فساخ، ثم إتى الجمرة الوسطى، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصياتٍ، فساخ، ثم إتى الجمرة القصوى، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات، فساخ.**

’’جبرائیل امین ابراہیم علیہ السلام کو لے کر جمرۂ عقبیٰ پر گئے تو وہاں ان کے سامنے شیطان آیا۔ انہوں نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرہء وسطیٰ پر تشریف لائے تو شیطان کے (دوبارہ) سامنے آنے پر انہوں نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرۂ اُولیٰ پر پہنچے تو شیطان سے (سہ بارہ) آمنا سامنا ہونے پر اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔‘‘

1. إحمد بن حنبل، المسند، 1 : 306
2. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 1 : 638، رقم: 1713
3. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 153، رقم: 9475

4. مقدسی، الأحادیث المختارة، 10 : 283، رقم: 296
5. منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، 2 : 134، رقم: 1807
6. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3 : 259

2۔ایک اور روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود بیان فرماتے ہیں :

**إن إبراهيم لمّا أمر بالمناسك . . . ذهب به جبريل إلى جمرة العقبة فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات حتى ذهب، ثم عرض له عند الجمرة الوسطى، فرماه بسبع حصيات، قال: قد (تَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ) (1) وعلى إسماعيل قميص أبيضُ، وقال: يا أبت! إنه ليس لي ثوب تُكَفِّنُنِي فيه غيره، فاخلعه حتى تُكَفِّنُنِي فيه، فعالجه ليخلعه فنُودي من خلفه (أَنْ يَّا إِبْرَاهِيْمُ ٥ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا.) (2) فالتفت إبراهيم، فإذا هو بكبش أبيض أقرن أعين، قال ابن عباس: لقد رأيتنا نبيع هذا الضرب من الكباش. قال: ثم ذهب به جبريل إلى الجمرة القصوى، فعرض له الشيطان فرماه بسبع حصيات حتى ذهب. (3)**

”بے شک جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسکِ حج کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تو جبرئیل علیہ السلام آپ کو جمرۂ عقبیٰ پر لے گئے، وہاں آپ کے سامنے شیطان آیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا۔ پھر وہ آپ کے سامنے جمرۂ وُسطیٰ پر آیا۔ آپ نے اسے سات کنکر مارے، (یہ ایسا مقام تھا جس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآنی آیت پڑھتے ہوئے) فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے اسے (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو) پیشانی کے بل لٹا دیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام

کے اوپر سفید قمیض تھی، انہوں نے کہا: ابا جان! میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفن دیں، لہٰذا اسے میرے جسم سے اتار لیں تاکہ آپ مجھے اس میں کفن دے سکیں۔ پس آپ نے انہیں سیدھا کیا کہ وہ قمیض اتار لیں، تو آپ کو پیچھے سے (غیبی) ندا دی گئی: (اے ابراہیم! واقعی تم نے اپنا خواب (کیا خوب) سچا کر دکھایا۔) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں موٹی آنکھوں اور سینگوں والا سفید (خوبصورت) مینڈھا کھڑا پایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہاں (اپنا اظہارِ خیال کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ہمارا خیال ہے کہ ہم اسی قسم کے مینڈھے فروخت کرتے ہیں۔ پھر بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمرۂ اولیٰ پر لے گئے تو وہاں بھی شیطان سے مڈھ بھیڑ ہو گئی، آپ نے پھر اسے سات کنکر مارے یہاں تک کہ وہ بھاگ گیا۔''

(1) القرآن، الصافات، 37 : 103

(2) القرآن، الصافات، 37 : 104، 105

(3) 1. احمد بن حنبل، المسند، 1 : 297

2. طبرانی، المعجم الکبیر، 10 : 268، رقم: 10628

3. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 153. 154

4. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3 : 259

5. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 23 : 80

6. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 4 : 16

حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو کنکر مارنے کے ساتھ ساتھ تکبیر بھی کہتے رہے۔ اس کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے :

3۔ حضرت مجاہد بن جبیر (م 104ھ) فرماتے ہیں :

**خرج بإبراهيم جبريل، فلما مرّ بجمرة العقبة إذا بإبليس عليها، فقال جبريل : کبّر وارمه، ثم ارتفع إبليس إلى الجمرة الوسطى، فقال له جبريل : کبّر وارمه، ثم ارتفع إبليس إلى الجمرة القصوى، فقال له جبريل : کبّر وارمه.**

’’جبریل امین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے کر جمرۂ عقبیٰ کے مقام سے گزرے تو وہاں ابلیس کھڑا تھا۔ حضرت جبرئیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: تکبیر کہہ کر اسے کنکر ماریں، پھر جمرۂ وسطیٰ پر ابلیس سے سامنا ہونے پر حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا کہ تکبیر کہہ کر اسے کنکر ماریں، پھر جمرۂ اولیٰ پر ابلیس ملا تو حضرت جبریل نے آپ سے عرض کیا کہ تکبیر کہہ کر اسے کنکر ماریں۔‘‘

ازرقی، اخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار، 1 : 68

شیطان کو کنکریاں مارنا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی سنت نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے جیسا کہ درج ذیل روایت سے ظاہر ہے :

امام کلبی فرماتے ہیں :

**إنما سميت الجمار، الجمار لأن آدم علیه السلام كان يرمي إبليس فيجمز من بين يديه.**

”جمار کو اس لیے جمار (کنکریاں پھینکنے کی جگہ) کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ابلیس کو کنکریاں مارتے تو وہ تیزی سے آپ کے آگے بھاگتا تھا۔“

ازرقی، اِخبار مکۃ وماجاء فیہامن الآثار، 2 : 181

اللہ کے محبوب بندے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آج سے ہزاروں سال پہلے جو عمل کیا تھا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں وہ مستجاب ہوا۔ امت مسلمہ کو اس پر عمل کرنے کی سعادت نصیب ہو گئی۔ یہ عمل حاجیوں کے لیے لازم قرار دے دیا گیا اور جب تک یہ عمل دہرایا نہ جائے حج جیسی عظیم عبادت مکمل نہیں ہوتی۔

یہ عمل پیغام اور مقصدیت سے خالی نہیں، اس سے تین چیزوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے :

اوّلاً : اس طرح اَنبیاء کی سنت جاری رہتی ہے۔

ثانیاً : اس عمل کو بار بار دہرا کر اللہ کے ان برگزیدہ پیغمبروں کے لیے جذبہ محبت واِطاعت کا والہانہ اِظہار ہوتا ہے۔

ثالثاً : مسلمان ان علامتی شیطانوں کو پتھر مار کر شیطان سے اپنی نفرت کا اِظہار کرتے ہیں۔

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کی کیفیت کو تصور وتخیل میں لا کر اس پر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کرنا نہ صرف شرعاً جائز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہے۔

آج اُمتِ مسلمہ اگر اپنے پیارے اور اللہ کے حبیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر واقعاتِ ولادت کو تصور وتخیل میں جا گزین کر کے ان کی یادگار کے طور پر محافل کا انعقاد کرتی ہے تو یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ یہ محافل آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حبی و عشقی تعلق کو مزید مستحکم کرتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت اور قلبی وار فتگی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد دل میں بسا لینا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں کھوئے رہنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری کے لمحات نصیب ہو جانا وہ کیفیات ہیں جو اللہ رب العزت کو بے حد محبوب ہیں۔ بندۂ خدا خلوصِ نیت سے رضائے الٰہی کے لیے بیت اللہ کا حج کر کے یاد ابراہیمی تازہ کرتا ہے تو رب کریم اس کے صغائر و کبائر معاف فرما دیتا ہے۔ (1) اگر وہ بندہ یادِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا جشن منائے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام اور گلہائے عقیدت پیش کرے تو پھر اس کی خوش بختی کا عالم کیا ہوگا! یہی وہ نکتہ ہے جس کا ادراک ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و اطاعت میں پختہ تر کرتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو باقی تمام عقائد کی جان ہے:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

**من حج للہ فلم یرفث، ولم یفسق، رجع کیوم ولدتہ امہ.**

”جو رضائے اِلٰہی کے لیے حج کرے جس میں کوئی بے ہودہ بات ہو نہ کسی گناہ کا اِرتکاب، وہ ایسے لوٹے گا جیسے اُس کی ماں نے اُسے ابھی جنا ہو۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، 2 : 553، رقم: 1449
2. ابن الجعد، المسند: 141، رقم: 896
3. ابن مندہ، الایمان: 392، رقم: 230
4. مقدسی، فضائل الاعمال: 81، رقم: 347
5. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 2 : 277

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی است

اِقبال، کلیات (اُردو)، اَرمغانِ حجاز: 691

(دین سارے کا سارا درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسائی کا نام ہے۔ اگر اس در تک ہم نہ پہنچ سکے تو ایمان رُخصت ہو جاتا ہے اور بولہبی باقی رہ جاتی ہے۔)

## ایک اِعتراض

بعض لوگ جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں مناتے۔ ان کا اعتراض ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد منانا ضروری نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِتباع ضروری ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں آمد کا بنیادی مقصد بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی اور انہیں اسلامی شریعت و تعلیمات سے

بہرہ ور کرنا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا فرما دیا۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر اسلام کی تبلیغ اور ترویج و اشاعت میں اپنا کردار ادا کریں۔ میلاد منانے کی بجائے اپنے سامنے وہ مقصد رکھیں جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔ معترضین کا موقف یہ ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشن منانا اور اس کے لیے تقریبات کا انعقاد وقت اور سرمائے کا ضیاع ہے۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

آیئے ہم اِس اِعتراض کا تفصیلی جائزہ لیں :

## اعتراض کا جواب اور ہمارا نقطہ نظر

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ لوگ جو کچھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقصدِ بعثت کے بارے میں کہتے ہیں ہمیں اس سے انکار نہیں، بلا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیامیں تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو ہدایت کے نور سے فیض یاب کرنا اور انہیں اپنی سنتِ مطہرہ کی صورت میں اسلام کا ایک مکمل ضابطۂ حیات فراہم کرنا تھا۔ اس پہلو پر ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرنا اور اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنا ہم پر لازم ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم اپنی متاعِ علم و عمل کو مصطفوی انقلاب کے لیے وقف کیے ہوئے

ہیں لیکن ہمیں ان کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف ہے جو وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت واہمیت کے بارے میں رکھتے ہیں، یہ ایک الگ معاملہ ہے۔

تمسک بالدین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر عمل کرنے میں کسی کو کلام نہیں لیکن ایک اہم پہلو اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ دین میں اگر ایک عملی پہلو ہے تو دوسرا قلبی، حبی اور عشقی پہلو بھی ہے جو آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترانے گنگنانے کے تقاضے اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو ایک بہت بڑی نعمت اور رحمت عطا کی جب اس نے ان کے درمیان اپنے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا۔ وہ دن جس میں نعمت خداوندی کو اپنے دامن میں لیے ہوئے اس دنیائے آب و گل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی ہمارے لیے مسرت وشادمانی اور اظہارِ تشکر واِمتنان کا دن ہے۔ اس دن اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مسعود کی صورت میں اپنا فضل و رحمت ہم پر نچھاور کر دیا۔ اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت منانا اور اس کا شایانِ شان طریقے سے شکر بجالانا اَمرِ مستحسن ہے۔ یہ ایک بنیادی نکتہ ہے جس سے ہم صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

ہزاروں سال قبل ظہور پذیر ہونے والے واقعات میں ہمارے لیے ایک پیغام اور مقصد مضمر ہے۔ مناسکِ حج ہی کو لیجیے، بادی النظر میں ان اعمال کو جاری رکھنے میں کوئی عملی ربط پنہاں نہیں۔ بظاہر یہ مختلف واقعات تھے جو رونما ہوئے اور گزر گئے۔ ان واقعات میں ہمارے لیے کیا عملی اور تعلیمی سبق ہے کہ شریعت نے حج و عمرہ کے موقعوں پر

مناسک کی صورت میں ان کا جاری رکھنا فرض اور واجب قرار دیا ہے؟ اس حقیقت سے ہم یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام دونوں باتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ دینی تعلیمات کے اس پہلو کو جو اَحکاماتِ الٰہیہ سے متعلق ہے ضروری سمجھتا ہے کیونکہ ان کی تعمیل تقاضائے دین ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیک وقت وہ کسی واقعہ کے جذباتی پہلو اور تعلق کو بھی خصوصی اہمیت دیتا ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ پہلو مداومت کے ساتھ ہماری زندگیوں میں جاگزیں رہے۔ ہم اس کے تاریخی پس منظر کو اپنے دل و دماغ سے بھی اوجھل نہ ہونے دیں۔ ہمارے جذبات، احساسات اور تخیلات کی دنیا میں اس کی گونج ہمیشہ سنائی دیتی رہے۔ در حقیقت اسلام ہر واقعہ سے دو گونہ تعلق کا خواہاں ہے: ایک عملی وابستگی کا تعلق اور دوسرا جذباتی وابستگی کا تعلق اول الذکر تعلیماتی پہلوؤں اور ثانی الذکر جذباتی پہلوؤں یعنی محبت، چاہت اور اپنائیت کے عملی مظاہر سے عبارت ہے۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت پر والہانہ جذباتی وابستگی کا اظہار تاریخی، ثقافتی اور روحانی پس منظر میں کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس واقعہ کو کبھی نہ بھولیں اور یہ ہمارے قلب و باطن اور روح میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ امتدادِ وقت کی کوئی لہر اسے گزند نہ پہنچا سکے۔ اسلام اس یاد کو مداومت سے زندہ رکھنے کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر جشن مسرت کا سماں پیدا کر دیا جاتا ہے تاکہ اس واقعے کو اہتمام کے ساتھ منایا جائے۔

ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں کہ مناسکِ حج دراَصل اللہ کے مقرب بندوں سے متعلق واقعات ہی ہیں جنہیں شعائر اللہ قرار دے کر ان کی یاد منائی جاتی ہے۔ اگر

اِس اَمر میں کوئی تنازعہ اور اِختلاف نہیں تو میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریبات پر بھی کسی کو کوئی اِعتراض اور اِبہام نہیں ہونا چاہیے۔

